محمد بن اسحاق کی سیر و مغازی: محدثین کی آراء کا تحقیقی مطالعہ

Siyar and Mghazi by Muhammad bin Ishaq: An exploratory study of the opinions of Muhaddithee n

Muhammad Hashim
PhD Scholar Institute of Islamic Studies
Email: hashim.khan0044@gmail.com
Professor Dr. Abdul Qadir Buzdar
Director Seerat Chair
Baha ud din Zakariya University Multan
Email: buzdar@bzu.edu.pk

Abstract
The biography of the Prophet P.B.U.H is a subject with which scholars have been engaged in every age. Because as Muslims, our welfare in this world and the hereafter is connected with the Prophet. In many places in the Holy Quran, it is ordered to follow the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him). A prominent name among the scholars who wrote books on the Prophet's life is Hazrat Muhammad Ibn Isḥāq. He received knowledge from the disciples of the Companions of the Prophet P.B.U.H. And his famous book is known as Seerat Ibn Isḥāq. Therefore, this book became a reference for all the biographers who came after him. You are called the Imam of the art of Biography and Maghazi. Scholars have acknowledged his meritorious services in this field and have praised him. In this article, a research review of the opinions of the muhadditths about his services and his academic position on the biography of the Prophet P.B.U.P has been presented and the style of the paper is historical, narrative and analytical.
Keywords: Prophet Seerah, Ibn-e- Ishaq, Knowledge Services, Opinions of Muhadditheen

تمہید

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کی عظیم شخصیت، بے مثال کردار و اخلاق، پاکیزہ احوال وعادات، حسین و جمیل وضع قطع، باوقار نشست و برخاست، منفرد آداب واطوار اور دلکش شمائل وخصائل کا مرقع ایک ایسے کامل انداز میں امت تک پہنچایا، جو تصویر کی برائیوں سے پاک تھا اور جس کے بعد امت کو آپ ﷺ کی تصویر کی ضرورت بھی نہ رہی۔ گو کہ متقدمین کی اصطلاح میں غزوات و سرایا کے واقعات کو سیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور متاخرین کے نزدیک غزوات و سرایا کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے باقی حالات زندگی کو سیرت میں شامل کیا گیا، تاہم ماضی قریب میں مختلف محرکات کی بنا پر اب اہل سیر کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے متعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ جو بھی معلومات پائی جاتی ہے اس کو سیرت کہتے ہیں۔

اس فن کا آغاز عہد نبوی ﷺ میں صحابہ کرام کے حدیث لکھنے کی صورت میں شروع ہوا اور بعد میں اس کی جمع و تدوین اور اشاعت و ترویج کی ابتدائی کوششیں عروہ بن زبیر، ابان بن عثمان اور امام محمد بن مسلم الزہری رحمہم اللہ اجمعین کے ذریعے سے پہلی صدی ہجری ہی میں شروع ہو گئی تھیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور حکومت میں سرکاری سطح پر کام کیا گیا۔ باقاعدہ تصنیف و تالیف کا آغاز دوسری صدی ہجری میں شروع ہوا۔ جس میں سب سے نمایاں کام محمد بن اسحاقؒ نے سرانجام دیا۔ تاہم اس امت کا امتیاز ہے کہ نبی ﷺ سے جو بھی چیز منسوب ہے، اس کو آگے منتقل کرنے سے پہلے محدثین نے روایت حدیث کی جو شدید شرائط طے کی ہیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے شاید ہی کوئی ان کی تنقید سے بچا ہے۔ روایت حدیث کے معاملے میں نہ ہی ایک بیٹے نے اپنے والد کی پرواہ کی ہے اور نہ ہی شاگرد نے اپنے استاد پر تنقید کرنے میں کسی قسم کا کوئی لحاظ رکھا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار المدنی (704 تا 767ء) آٹھویں صدی عیسوی کے قدیم ترین سیرت نگار ہیں جن کی مشہور کتاب سیرت رسول اللہ ﷺ سیرت ابن اسحاق کے نام سے مشہور ہے۔

پیدائش و خاندان

محمد بن اسحاق (م 151ھ) کے دادا جنگ عین التمر ۱۲ھ میں حضرت خالد بن ولید کے ہاتھوں قید ہو کر مدینہ آئے، جہاں وہ حضرت قیس بن مخرمہ مطلبی کے غلام بنے، پھر مشرف بااسلام ہونے پر آزاد ہوئے۔ مدینہ ہی میں ان کے فرزند اسحاق سنہ ۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ان کے پوتے محمد بن اسحاق سنہ ۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اگرچہ آپ موالی میں سے تھے تاہم مدینہ منورہ کے علمی ماحول، سرپرست خاندانوں کی علم نوازی اور بہترین سلوک اور اسلام کے نظریہ مساوات کی وجہ سے طبقہ موالی نے مختلف علوم و فنون میں اعلیٰ مہارت حاصل کی اور پھر درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و ارشاد اور میدان کارزار میں شاندار کارنامے انجام دئے۔

اساتذہ اور تلامذہ

محمد بن اسحاق فن سیرت و مغازی کے امام کہلاتے ہیں۔ آپ تابعی ہیں، حضرت انس بن مالک کی زیارت کی ہے۔ سید التابعین سعید بن مسیب سے، جو حضرت ابو ہریرہ کے تلامذہ میں بڑا نمایاں مقام رکھتے تھے، آپ نے ان سے کسب فیض کیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے قاسم بن محمد بن ابو بکر، ابان بن عثمان، امام باقر، ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، حضرت نافع اور تمام اعرج جیسے کبار علماء حدیث و سیرت سے بھی علم حاصل کیا۔ بقول پروفیسر یسین مظہر صدیقی (م ۲۰۲۰) یہ تمام وہ علماء و شیوخ ہیں جن کے علمی تجر اور دیانت و صلاحیت کی قسم کھائی جاتی ہے۔[1]

آپ کے شاگردوں میں یحییٰ بن سعید الانصاری، امام سفیان ثوری، امام سفیان بن عیینہ اور امام شعبہ بن الحجاج رحمہم اللہ اجمعین جیسے کبار ائمہ حدیث شامل ہیں۔

علم سیرت میں آپ کا مقام و مرتبہ اعلیٰ رتبے کا ہے۔ اس کے علاوہ محمد بن اسحاق حدیث میں بھی بلند درجہ رکھتے تھے۔ آپ امام زہریؒ کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے علم سیر و مغازی میں واقفیت حاصل کر کے منتشر روایات کو باقاعدہ سائنٹفک طریقے سے جمع کر کے ایک کتابی شکل دے کر اس علم کو ترقی دی۔ آپ کی کتاب سیرت کے عنوان پر پہلی باقاعدہ کتاب ہے، جو ہمیں اقتباسات کی شکل میں نہیں بلکہ ایک مکمل و ضخیم کتاب کی صورت میں ملی ہے۔ گو کہ ان سے پہلے عروہ بن زبیر، امام زہری اور متعدد تابعین نے سیر و مغازی پر کتابیں لکھیں تھیں تاہم باقاعدہ تصنیف کا، جس کا ایک بڑا حصہ آج ہمارے پاس موجود ہے، یہ شرف ابن اسحاق کو ہی حاصل ہے۔ پروفیسر یسین مظہر صدیقی نے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ابن اسحاق اولین سیرت نگار رسول نہیں تھے۔ اولیت کا سہرا تو کسی گمنام سیرت نگار کے سر بندھتا ہے تاہم یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ابن اسحاق کی سیرت نبوی ابن ہشام کی تہذیب کی شکل میں ہم تک پہونچنے والی سب پہلی کتاب ہے اور یہی اس کی فضیلت ہے۔[2]

"خود ان کے استاد امام زہری کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ:

هذا اعلم الناس بها۔[3]

(یعنی میرا) یہ (شاگرد) اس علم کا سب سے بڑا عالم ہے۔

اسی طرح تمام شافعی سے منقول ہے:

من اراد أن يتبحر في المغازي فهو عيال على ابن اسحاق[4]

یعنی جو علم مغازی و سیر میں حجر حاصل کرنا چاہے وہ محمد بن اسحاق کا خوشہ چین ہے۔

بڑے بڑے ائمہ وقت ان کی قدر کرتے تھے اور امام موصوف کو ان کے حلقوں میں ایک نمایاں اختصاص حاصل تھا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ امام زہری کے دروازے پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے، لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں۔[5]

متعدد مستند علمانے ان کی ثقاہت کی شہادتیں دی ہیں۔ محمد بن سعد صاحب طبقات لکھتے ہیں:

محمد بن اسحاق ثقہ ہیں اور لوگ (انال علم آپ سے روایت کرتے ہیں۔ سفیان ثوری، امام شعبہ، امام سفیان بن عیینہ، یزید بن زریع، ابراہیم بن سعد، یزید بن ہارون بعلی اور محمد عبید کے دو بیٹے اور عبد اللہ بن نمیر وغیرہ آپ (ابن اسحاق) سے روایت کرتے ہیں۔[6]

تعدیل و جرح اور نقطہ اعتدال

علم و فضل کی اس فضیلت، وسعت نظر اور اہل علم میں مقام خاص ہونے کے باوجود بعض محدثین کرام نے محمد بن اسحاق کے ثقہ ہونے کی نسبت اختلاف کیا ہے۔ دراصل ابن اسحاق کے بارے میں موافق و مخالف دونوں آراء ملتی ہیں۔ چنانچہ ان کی توثیق و تائید کرنے والوں میں امام زہری، سفیان بن عیینہ، ابو زرعہ، ابو حاتم، ابن المدینی، امام شافعی، امام بخاری، یزید بن ہارون، یحییٰ بن معین، عبد اللہ بن قائد، ابن سلیمان اور امام احمد بن حنبل جیسے عظیم محدثین شامل ہے۔ اور جن اہل علم نے ابن اسحاق پر جرح و تنقید کی ہے ان میں امام مالک، امام نسائی، امام دار قطنی، ہشام بن عروہ، مکی بن ابراہیم اور یحییٰ بن قطان وغیرہ شامل ہیں۔

حافظ شمس الدین ذہبی کہتے ہیں کہ:

> محمد بن اسحاق فی نفسہ صدوق اور مریضی یعنی پسندیدہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل ان کو حسن الحدیث (حدیث میں اچھے) کہتے تھے۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ امام دار قطنی کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق قابل احتجاج نہیں جبکہ امام شعبہ بن الحجاج ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں۔[7]

امام مالک نے ان کو روایات میں قابل اعتماد نہیں مانا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ابن اسحاق غزوات نبوی ﷺ اور سیرت کے دوسرے پہلوؤں کے بارے میں یہودیوں کی مسلمان اولاد سے روایت کرتے تھے اور یہ ان کے نزدیک قابل اعتراض بات تھی کیونکہ ان کے خیال میں ابن اسحاق روایات جمع کرنے کے شوق میں اس کا التزام نہیں کرتے تھے کہ ان کے راوی ثقہ بھی ہیں یا نہیں۔؟

یہ کوئی سنگین مسئلہ نہیں ہے کہ امام موصوف علماء یہود کی روایات قبول کرتے تھے۔ ان روایات کو ہم "اسرائیلیات" کہتے ہیں۔ جو اسرائیلی روایت قرآن و حدیث سے ٹکراتی ہوں اس کے بارے میں کوئی ادنیٰ شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ قابل اعتبار ہے۔ جن اسرائیلی روایات کے بارے میں قرآن و حدیث خاموش ہوں، یعنی نہ تائید کرتی ہوں اور نہ تکذیب، تو ان کے بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک ایسی اسرائیلی روایات کو بھی نقل کرنے میں مضائقہ نہیں کیونکہ ان سے کسی شرعی حکم یا عقیدے کی تکذیب لازم نہیں آتی۔ لیکن بعض کے نزدیک ان کو نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ جن اسرائیلی روایات سے قرآن و حدیث کی تائید ہوتی ہو، ان کے بارے میں جمہور کا موقف یہی ہے کہ وہ قابل نقل بھی ہیں اور قابل اعتبار بھی۔ بلکہ اس قسم کی اسرائیلی روایات کے بارے میں حدیث نبوی ہے۔

حدثوا عن بني اسرائيل ولا حرج۔[8]

کہ بنی اسرائیل سے روایت کرو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

چونکہ قرآن نے سابقہ اقوام کا جگہ جگہ تذکرہ کیا ہے اس لئے متقدمین علماء نے ان اقوام کے بارے میں معلومات جمع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے۔ اور اسی لئے اسرائیلیات کی نقل وروایت کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ مشہور جرمن مستشرق جوزف لکھتے ہیں:

> قرآن کے مطالعے نے یمن کی تاریخ سے علماء کی دلچسپی پہلے ہی بڑھادی تھی۔ سورہ بروج میں اصحاب الاخدود کا بیان ہے، اس سے علماء اس طرف متوجہ ہوئے کہ یمن میں عیسائیت اور یہودیت کے فروغ کے زمانے کی تحقیق کریں۔ اسی طرح اصحاب الفیل کا مطالعہ کرتے ہوئے یمن کے حبشی گورنر ابرہا کی فوج کی تفصیلات درکار تھیں۔[9]

ابن اسحاق پہلے شخص نہیں ہیں جنہوں نے اخبار اہل کتاب کی نقل وروایت میں دلچسپی دکھائی ہے بلکہ ان سے پہلے بھی بہت سے اہل علم حضرات نے اسرائیلیات کی جمع وتدوین کا کام انجام دیا ہے۔ چنانچہ جوزف ہوردوتز لکھتے ہیں:

> جنوب عرب میں وہب بن منبہ نے ابن اسحاق سے پہلے اسی طرح کے غیر اسلامی اخبار بے تکلف جمع کئے تھے۔ یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ اہل کتاب کے قصوں میں ابن اسحاق نے متعدد مواقع پر وہب بن منبہ کا حوالہ دیا ہے۔[10]

بعد میں ائمہ مفسرین نے ابن اسحاق کی کتاب سے استفادہ کیا اور ابن اسحاق کی طویل عبارتوں کو اپنی تفاسیر اور کتب میں نقل کیا ہے۔ اس کے بارے میں ہوردوتز لکھتے ہیں:

> طبری نے اپنی تاریخ ہی میں نہیں، بلکہ اپنی تفسیر میں بھی انبیائے بنی اسرائیل سے متعلق ابن اسحاق کے طویل اقتباسات بکثرت نقل کردیئے ہیں۔ اسی طرح الازرقی نے مکہ کی قدیم تاریخ میں ابن اسحاق کا جابجا حوالہ دیا ہے۔[11]

حضرت محمد بن اسحاق کے بارے میں متفرق اقوال نقل کرکے ماضی قریب کے مشہور محقق عالم حضرت مولانا ادریس کاندھلوی (م۱۹۷٦ء) لکھتے ہیں:

> محمد بن اسحاق پر دو جرح کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ روایت میں تدلیس کرتے تھے۔ دوم یہ کہ خیبر وغیرہ کے واقعات کو یہود خیبر سے دریافت کرتے تھے۔ دوسری وجہ موجب جرح نہیں۔ مزید توثیق کے لئے یہود سے واقعات کی تحقیق کرنا قابل اعتراض نہیں۔ البتہ فقط یہود پر اعتماد

کرنا اور محض ان کی روایات سے احکام شرعیہ کا ثابت کرنا درست نہیں۔ لیکن دنیا میں کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں اور نہ کہیں یہ ثابت ہے کہ محمد بن اسحاق یہود خیبر سے نافع اور امام زہری کی طرح روایت کرتے ہوں اور قاسم اور عطاء کی طرح یہود خیبر کو ثقہ سمجھتے ہوں اور نہ کوئی ادنیٰ عقل والا مسلمان یہود سے روایت کر سکتا ہے اور نہ ان کو ثقہ سمجھ سکتا ہے اور جس نے ایسا سمجھا غلط سمجھا۔ باقی تدلیس کے متعلق خود ائمہ حدیث نے تصریح کر دی ہے کہ تدلیس کا عن عن معتبر نہیں جب تک اس کا سماع ثابت نہ ہو جائے۔ [12]

محد ثین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ابن اسحاق کی روایات قابل استناد ہیں۔ بلکہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اکثر واقعات ان سے ہی لئے ہیں۔ مولانا ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں ان سے موصولہ کوئی روایت نہیں لی البتہ تعلیقاً ان سے رویت لی ہے۔ اصحاب سنن نے محمد ابن اسحاق سے روایات لی ہیں۔ [13]

امام موصوف کے بارے میں موافق و مخلف اقوال نقل کرنے کے بعد حافظ شمس الدین ذھبی اسماء الرجال اپنے قول فیصل سے اس موضوع کا اختتام ان الفاظ میں کرتے ہیں:

علماء کے نزدیک معمول یہ بات ہے کہ ابن اسحاق بعض اشیاء میں شذوذ کے باوجود مغازی اور غزوات نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بارے میں مرجع ہیں اور حلال و حرام میں حجت نہیں، ہاں ضعیف بھی نہیں ہیں، بلکہ ان سے استشہاد کیا جائے گا۔ [14]

اسی طرح بعض روایات میں اس بات کی تصریح ہوتی ہے کہ امام مالک کی جرح متعدی نہیں تھی۔ انہوں نے بعد میں اپنے متشدد موقف میں کسی قدر تخفیف فرمائی تھی۔ چنانچہ امام ابن حبان لکھتے ہیں کہ:

امام مالک نے صرف ایک مرتبہ محمد بن اسحاق کے بارے میں کہا تھا۔ پھر ان کے رتبہ کے مطابق ان سے برتاؤ کرتے تھے۔ [15]

اسلوب اور اندازِ نگارش

محد ثین تقوی، اونچے معیار اور اعلی احتیاط کے لحاظ سے ابن اسحاق کی متعدد کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

اول۔ وہ اپنی کتاب کے پہلے حصے (جو المبتدا کہلاتا ہے) میں سابقہ انبیاء علیہم السلام اور سابقہ اسم کے بارے میں یہود و نصاری سے بلا خوف روایات نقل کرتے ہیں۔

دوم۔ وہ ہر ہر راوی کا بیان الگ الگ نقل کرنے کے بجائے سب راویوں کی معلومات کو یکجا بیان کرتے ہیں، جس کو ہم مورخانہ اسلوب کہہ سکتے ہیں۔ جبکہ محدثین کا طریق کار یہ تھا کہ وہ کسی واقعہ یا حدیث کو بیان کرتے وقت جن جن راویوں سے جو جو ارشادات ہوتے تھے تو ان سب ناموں کو صراحت سے پوری سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اگر کسی اختلاف کا ذکر کرتے ہیں، تو اس کے خاص راوی کا بھی ذکر کرتے ہیں، جس کو ہم محدثانہ اسلوب کہتے ہیں۔

جبکہ اہل سیر متعدد روایات و آثار کو جوڑ کر ان میں تسلسل و ربط قائم کر کے واقعات کو زمانی ترتیب کے مطابق بیان کرتے ہیں اور اس کے لئے وہ راویوں کے نام اور ساری اسناد ہر جگہ بیان کرنے کی بجائے کسی خاص جگہ بیان کر دیتے ہیں۔ دراصل یہ سیرت و سوانح کے فن کا تقاضا تھا کہ اس طریقے کو اختیار کئے بغیر مسلسل و مربوط بیان پیش کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے بعد میں جب علم سیرت کو ترقی ہوئی تو آپ ﷺ کی سیرت و سوانح حیات کو بیان کرنے کے لئے مورخین نے آگے چل کر ابن اسحاق ہی کا اسلوب اختیار کیا۔ یہ دراصل محدثین اور اہل سیر کے طریقہ تک دوین و تصنیف کا فرق تھا، جو بعد میں اختلاف کا باعث بنا۔ اور اس کی بنا پر ابن اسحاق جیسے امام سیرت کی دیانت کو مجروح نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ پروفیسر یسین مظہر صدیقی اس کی مذمت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> یہ عجیب بات ہے کہ ابن اسحاق پر تدلیس کے سب بعض حضرات نے شدید تنقید کی مگر امام زہری وغیرہ کی ایسی تمام روایات سب کے نزدیک مقبول رہیں اور کسی نے ان کو اس بنا پر ہدفِ تنقید نہیں بنایا، طرفہ ستم یہ کہ اکابر محدثین بھی اس عیب سے اگر وہ عیب ہے مبرا نہیں۔ انہوں نے بھی ایک سے زیادہ راویوں کی روایات مخلوط کر کے بیان کی ہیں جن کے مختلف حصوں کے بارے میں یہ حتمی طور سے کہنا ممکن نہیں کہ کون سا حصہ روایت یا متنِ حدیث کس راوی کا بیان کردہ ہے۔[16]

چنانچہ امام احمد بن حنبل جیسے محتاط محدث سے جب ان کے بیٹے نے پوچھا کہ آپ کو ابن اسحاق پر کیا اعتراض ہے تو امام صاحب نے جواب دیا کہ:

> میں نے ان کو دیکھا کہ وہ بہت سے لوگوں سے ایک ہی واقعہ بیان کرتے ہیں اور اس کی بات کو اس بات سے الگ نہیں کرتے، اس لئے میں اعتماد نہیں کر سکتا کہ کون سا حصہ مستند ہے اور کون سا غیر مستند ہے۔[17]

تاہم امام احمد بن حنبل کا ارشاد ہے کہ:

> محمد بن اسحاق کی بات مغازی وغیرہ میں قابل قبول ہے، لیکن حرام و حلال (فقہ و شریعت) کے باب میں احتیاط کی جائے گی۔[18]

امام ابن اسحاق سے پہلے عربی اسلامی سیرت نگاری کا سرمایہ چند کتب مغازی تھیں، جو اپنی جگہ کامل سیرت نبوی نہیں پیش کرتی تھیں۔ امام ابن اسحاق نے ایک مفصل سیرت نبوی لکھنی چاہی اور اس کا خاکہ اتنا وسیع کر دیا کہ وہ عالمی تاریخ اسلام نگاری کی اولین روایت بن گئی۔ ابتدائے آفرینش اور پیغمبران اسلام سے آغاز کر کے عرب اور اس کے قرب وجوار کی اقوام وملل کی تاریخ انسانیت کو دامن تحریر میں لیتے ہوئے انھوں نے سیرت نبوی ﷺ سے اس کا سرا جوڑ دیا اور پھر دو بنیادی ادوار ماقبل بعثت اور مابعد نبوت پر توجہ مرکوز کر دی اور خاتمہ خلافت اسلامی پر کیا تاکہ انسانی تاریخ اور اسلامی تہذیب کا تسلسل جاری وساری نظر آئے۔[19]

محمد بن اسحاق کی کتاب پر ابن ہشام کا کام

ابن اسحاق کی کتاب اتنی وسیع اور متداول ہوئی کہ آگے چل کر اس کے مواد میں تنوع آگیا۔ ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کے اول حصہ المبتدا کو، جو اسرائیلیات پر مبنی تھا، نکال دیا اور اس میں نقل شدہ غیر ضروری اشعار کو بھی حذف کر دیا۔ غرض ابن ہشام نے اس کی از سر نو تہذیب، تلخیص اور تدوین کر کے اس کو ایک نئی، معیاری اور مستند شکل دے دی۔

پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں:

> بہت سے الحاقی اور نقلی اشعار تھے جن پر ابن ہشام نے نقد کیا۔ ایسے اشعار کو کسی طرح اصلی نہیں کہا جاسکتا۔ بہر کیف یہ اہمیت ضرور ہے کہ وہ ابن اسحاق کی معاصر شاعری اور لغت وادب کی عکاسی کرتے ہیں اور تاریخ وسیرت کے لئے نہ کسی عربی زبان وادب کے باب میں ان کی ایک جگہ ہے۔[20]

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اپنی کتاب "محاضرات سیرت" میں (جو دراصل ان کے علم سیرت پر ایک لیکچر سیریز کی کتابی شکل ہے) ابن اسحاق کی کتاب اور اس پر ابن ہشام کی تحقیق و تدقیق اور ترمیم واضافہ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ان طویل اقتباسات کو یہاں دامن تحریر میں لانا طوالت کا باعث بنے گا۔ اہل علم اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

ابن ہشام کے کام کی اہمیت وافادیت کو بیان کرتے ہوئے پروفیسر نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

> یہ سعی وکاوش کچھ ایسی مبارک ساعت میں ہوئی تھی کہ اس سے (یعنی ابن اسحاق کی کتاب سے زیادہ مقبول و معتبر اور متداول ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں اصل سیرت ابن اسحاق کے نسخے کامیاب ہوتے چلے گئے۔ تا آنکہ ناپید ہو گئے۔ اور آج سیرت ابن ہشام میں اس کے مولف گرامی اور جامع سامی دونوں زندہ ہیں۔[21]

ڈاکٹر حمید اللہ (م ۲۰۰۲ء) نے بڑی تحقیق و تلاش کے بعد ابن اسحاق کے دو شاگرد یونس بن بکیر اور محمد بر مسلہ کی روایات کو جمع کر کے سیرت ابن اسحاق کو ۱۴۰۱ھ میں مراکش سے شائع کرایا۔ سیرت ابن اسحاق کا فارسی ترجمہ شیخ سعدی کے معاصر بادشاہ ابو بکر بن سعد کے زمانے میں ہوا ہے۔

امام مالک اور ابن ہشام کی جرح اور اس کے اسباب

ابن اسحٰق پر امام مالک اور ابن ہشام کی جرح بھی ملتی ہے، خصوصاً امام مالک کی رائے ان کے بارہ میں زیادہ سخت تھی ابن ہشام بھی انہیں لائق اعتماد نہ سمجھتے تھے، لیکن محدثین نے خود ان دونوں کی جرح کے اسباب بیان کر دیئے ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام مالک اتنے متشدد تھے اور ان کا معیار اتنا بلند تھا کہ اگر کسی میں ادنی خامی بھی ہوتی تھی تو وہ اس کے متعلق سخت الفاظ استعمال کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ:

> بعض علماء کا بیان ہے کہ امام مالک کے ہم عصر علماء نے ان لوگوں پر جو صلاح، تقوی، دینداری، ثقاہت اور امامت میں مشہور تھے امام مالک کی درشتی زبان پر نکتہ چینی کی ہے۔[22]

دوسری وجہ یہ تھی کہ ابن اسحٰق خود امام مالک پر طعن کیا کرتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ مالک کی حدیثیں مجھے سنایا کرو میں ان کے امراض کا طبیب ہوں۔[23]

ایسی حالت میں اگر امام مالک نے ان کے متعلق درشت الفاظ استعمال کیے تو اس سے ابن اسحٰق کی ثقاہت مجروح نہیں ہو سکتی۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ ابن اسحٰق غزوات کی روایات قبول کرنے میں محتاط نہ تھے اس لیے امام مالک ان کے مغازی پر طعن کرتے تھے، ان کی احادیث کو اس جرح سے کوئی تعلق نہ تھا، ابن حبان لکھتے ہیں کہ امام مالک نے صرف ایک مرتبہ محمد بن اسحاق کے بارے میں کہا تھا، پھر ان کے رتبہ کے مطابق ان سے برتاؤ کرتے تھے امام مالک ان کی احادیث کی وجہ سے نہیں بلکہ مغازی کی وجہ سے ان پر جرح کرتے تھے کیونکہ ابن اسحٰق غزوۂ خیبر وغیرہ کے حالات یہودیوں کی نو مسلم اولادوں سے سنتے تھے جن کو وہ اپنے بزرگوں سے سُن کر بیان کرتے تھے گو ابن اسحٰق ان بیانات سے حجت نہیں لاتے تھے، لیکن امام مالک متقن کے علاوہ کسی دوسرے سے روایت لینا جائز نہ سمجھتے تھے۔[24]

بعض علماء کا بیان ہے کہ امام مالک کی جرح مغازی کی بنا پر بھی نہ تھی بلکہ بعض عقائد کی بنا پر تھی عبد الرحمن بن عمرو النصری کا بیان ہے کہ میں نے وحیم کے سامنے ابن اسحق کے بارے میں امام مالک کی طرح کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا، یہ احادیث کی وجہ سے نہ تھی؛ بلکہ اس لیے تھی کہ امام مالک انہیں قدر کے عقیدے سے متہم سمجھتے تھے۔[25]

بہر حال ان تمام روایات سے اتنا معلوم ہو گیا کہ امام مالک کی جرح کا سبب ابن اسحاق کی بے اعتباری اور ان کا ضعف نہ تھا بلکہ اس کے اسباب دوسرے تھے، اس لیے اس جرح سے ان کی مرویہ احادیث پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، اسی لیے امام مالک کے علاوہ اور آئمہ اور علماء ان کی روایات قبول کرتے تھے، خود امام احمد بن حنبل جو عقیدہ کے تشدد میں امام مالک سے کم نہ تھے، ابن اسحاق کی روایات قبول کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبد اللہ نے ایک شخص کے جواب میں جس نے ابن اسحاق کے بارہ میں ان سے پوچھا تھا کہ میرے والد ان کی روایات جانچ کر قبول کرتے تھے اور مسند میں لیتے تھے، لیکن سنن میں ان سے احتجاج نہیں کرتے تھے۔[26]

امام مالک کے بعد ابن اسحاق پر جرح کرنے والوں میں دوسرا نام ابن ہشام کا ہے، اسی کی حقیقت یہ ہے کہ ابن ہشام ان کو محض اس لیے لائق اعتماد نہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے ان کی بیوی فاطمہ بنت منذر سے بعض روایتیں کی ہیں ابن ہشام کہتے تھے کہ انہوں نے میری بیوی سے جو ایک پردہ نشین خاتون تھیں اور جن پر نو سال کی عمر سے موت تک کسی مرد کی نظر نہیں پڑی کیسے احادیث سنیں لیکن جیسا کہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ محض اس دلیل پر ابن اسحاق کی روایات کو غلط کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ پردہ کی آڑ سے سن سکتے تھے۔

ابن حبان لکھتے ہیں کہ:

> محمد بن اسحاق کے بارے میں ابن ہشام اور امام مالک دو آدمیوں نے کلام کیا ہے، لیکن ہشام کے قول سے کوئی انسان بھی مجروح نہیں ہو سکتا تابعین بغیر چہرے پر نظر ڈالے ہوئے حضرت عائشہؓ سے سُنا کرتے تھے اسی طریقہ سے ابن اسحاق نے فاطمہ سے سنا ہو گا درمیان میں پردہ حائل رہا ہو گا۔[27]

کارنامہ عظمی

امام موصوف نے سیرت نبوی سے متعلق منتشر، متفرق اور زبانی روایات کو ایک جگہ جمع کر کے فن سیر و مغازی کو با قاعدہ بنا کر ایسا کارنامہ انجام دیا، جو بعد میں خاص و عام کے لئے عظیم نفع کا باعث بنا، یعنی متاخرین کے لئے ان کی کتاب مرجع ثابت ہو۔ انہوں نے ان کی کتاب اور نہج و اسلوب کو سامنے رکھ کر نئی نئی کتابیں تصنیف کیں اور عوام کو پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مربوط سیرت کو با قاعدہ جانے کا موقع بہم پہنچایا۔

سیرت و مغازی

ابن اسحاق کا اصل فن مغازی و سیرت تھا اس کے وہ امام تھے حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ:

> وہ مغازی اور سیرت کی معرفت میں حبر تھے۔[28]

امام شافعی کہتے تھے کہ:

جو شخص مغازی میں تبحر حاصل کرنا چاہتا ہے وہ ابن اسحاق کا دست نگر ہے۔

خطیب بغدادی کہتے ہیں:

وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس علم کی طرف توجہ کی اور اس کو اتنا بڑھایا کہ ان کے بعد پھر کوئی اس پر اضافہ نہ کر سکا اور سلاطین اور امراء کی توجہ بے نتیجہ اور لایعنی قصص و حکایات سے تاریخ کی طرف پھیر دی اس طرح انہوں نے سب سے پہلے تاریخ کا مذاق پیدا کیا ابن عدی کا بیان ہے کہ اگر اس فضیلت کے علاوہ ابن اسحاق میں اور کوئی فضیلت نہ ہوتی کہ انہوں نے سلاطین کا مذاق بدل کر ان کی توجہ اور مشغولیت لاحاصل کتابوں سے رسول اللہ ﷺ کے مغازی آپ کی سنت اور آغاز عالم کی تاریخ کی جانب پھیر دی تو تنہا یہی کارنامہ اور اولیت کا یہ فخر ہی ان کی فضیلت کے لیے کافی تھا ان کے بعد بہت سے لوگوں نے اس فن پر کتابیں لکھیں لیکن کوئی ان کے درجہ کو نہ پہنچ سکا۔[29]

خود امام زہری جن سے انہوں نے اس فن کو حاصل کیا اس میں ان کی وسعتِ علم کے معترف تھے۔[30]

جرمن مستشرق پروفیسر جوزف ہورووتز کی لکھتے ہیں کہ:

ابن اسحاق کو کچھ مواد اسے اپنے استادوں سے پہنچا تھا اور کچھ اسے بطور خود جمع کیا تھا یہ ترتیب و تنظیم بجائے خود ایک بڑا کام ہے۔ چاہے ابن اسحاق سے پہلے کچھ اور لوگوں نے بھی یہ کام کیا ہو تب بھی اسے اس لحاظ سے اولیت کا شرف حاصل رہے گا کہ اس نے رسول اللہ کی حیات طیبہ کے مختلف ادوار کو نہ صرف ایک تناسب کے ساتھ اپنی تالیف میں پیش کیا بلکہ امیاء سابقین کے حالات شامل کر کے سیرت کے موضوع میں وسعت پیدا کر دی اور اسے تاریخ سالت بنا دیا۔[31]

اسفار اور آخری قیام گاہ

امام موصوف نے زندگی کے آخری سالوں میں مشرقی علاقوں جیسے کوفہ، بصرہ، رے، اسکندریہ اور ارض الجزیرہ (شمالی عراق) وغیرہ کے اسفار کئے اور بالآخر بغداد میں مستقل سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۵۱ھ میں انتقال کر گئے۔ ان کے اسفار جو انہوں نے دور عباسی کے آغاز ہی میں کئے تھے، کا محرک و مقصد سیرت نبوی کی اشاعت و ترویج تھی جس میں ان کو کمال کا درجہ حاصل تھا۔

آپ نے ہجرت اور قیام عراق سے پہلے ہی مدینہ میں اپنی کتاب کی تکمیل کر لی تھی اور ان کے متعدد مدنی تلامذہ ان کی سیرت کی سماعت وروایت مدینہ النبی میں کر رہے تھے۔

پروفیسر نعیم صدیقی اس کی تائید میں متعدد شواہد پیش کرتے ہیں کہ:

> جوزف ہوروو تز کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ ابن اسحاق نے مدینہ منورہ سے ہجرت اور نقل وطن کرنے سے قبل اپنی کتاب نہ صرف مکمل کر لی تھی بلکہ اس کی مسلسل روایت کرتے رہے تھے۔ چنانچہ ان کے مدنی شاگرد ابراہیم بن سعد نے اس کی سماعت در روایت مدینہ ہی میں کی تھی۔ اس کی ایک مزید تائیدی دلیل یہ ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق ابن اسحاق پھر کبھی مدینہ نہیں آئے تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ سیرت ابن اسحاق پوری کی پوری مدنی راویوں کی روایات پر مبنی ہے اور اس میں کہیں بھی کسی عراقی راوی کا نام نہیں آیا ہے۔[32]

خلاصہ بحث:

یہ بات واضح ہے کہ امام محمد بن اسحاق علم سیر و مغازی کے اگرچہ بانی قرار نہیں دیے جاسکتے تاہم انہوں نے اس فن کو ترقی دینے اور باقاعدہ تصنیف و تالیف میں جو نمایاں کردار ادا کیا، وہ اس فن کی تاریخ کا پہلا روشن باب ہے۔ انہوں نے اپنے پیشرووں کے منتشر و متفرق کام کو جمع کر کے مزید اپنی تحقیق و تدقیق سے ایک ایسی کتاب تیار کی جس کے بغیر علم سیر و مغازی کی روشن تاریخ نامکمل ہے۔ اگرچہ سیرت النبی ﷺ کا بنیادی ڈھانچہ قرآن و صحیح السند احادیث سے مکمل ہو جاتا ہے تاہم ذیلی واقعات سے بنیادی واقعات سیرت کا باہمی ربط وجوڑ اور باقی جزوی تفصیل علم سیر و مغازی ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ اور اس فن کی باقاعدہ ابتداء ابن اسحاق کی کتاب سے شروع ہوتی ہے۔ گو کہ بعض ائمہ فن اور محدثین کرام نے ان پر تنقید کی ہے، مگر اس تنقید کا تعلق عقائد اور حلال و حرام کے امور سے ہے، جبکہ تمام محدثین کا متفقہ اصول ہے کہ سیر و مناقب اور فضائل میں روایت کا معیار کسی قدر کم ہو جاتا ہے اور ضعیف السند روایات بھی اس میدان میں قابل قبول تسلیم کی جاتی ہے۔ ابن اسحاق کے کام اور میدان کا تعلق عقائد و مسائل سے نہیں بلکہ سیر و سوانح اور فضائل مناقب سے ہے۔ اس لئے وہ اس فن میں امام کی حیثیت سے ایک اونچا مقام رکھتے ہیں۔ متاخرین اہل سیر نے ان کی کتاب سے استفادہ کر کے اپنے اپنے ادوار میں سیرت پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آج تک شاید ہی کوئی سیرت نگار ہو گا، جو ابن اسحاق کی کتاب سے مستغنی ہوا ہو۔ سیرت و مغازی کے اس درخشاں و پائندہ علم پر جب بھی زبان و قلم حرکت میں آئی گی، ابن اسحاق کا نام اور ان کی کتاب کا تذکرہ اور استفادہ ہر دور میں کیا جائے گا۔

حوالہ جات/حواشی

[1] ۔صدیقی،یسین مظہر،پروفیسر،مصادر سیرت نبوی،ج1،ص73، نئی دہلی: قاضی پبلشرز2016ء

[2] ۔ایضاً،ص،72

[3] ۔مبارک پوری،اطہر،قاضی،تدوین سیر ومغازی،ص209،مکتبہ دارالعلوم،دیوبند،انڈیا،۱۴۱۰ھ

[4] ۔ایضاً

5 ۔نعمانی، شبلی،مولانا،سیرت النبی،1ج،ص17،درالمصنفین اعظم گڑھ،انڈیا،2019ء

[6] ۔محمد بن سعد،ابوعبد اللہ،طبقات الکبری،ص216،ترجمہ عبد اللہ العمادی،دیوبند،حافظی بک ڈپو،2000ء

[7] ۔ ذھبی، محمد بن احمد، شمس الدین، تذکرۃ الحفاظ، بیروت: دار الفکر، ج، ص ۱۷۳، بحوالہ مولانا اویس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ،دیوبند کتب خانہ اعزازیہ2018،ج1،ص92،91

[8] ۔ابی داود، سلیمان بن اشعث،سنن ابی داود،کتاب العلم،باب الحدیث عن بنی اسرائیل،حدیث:3662

[9] ۔ پروفیسر جوزف ہو ر و تز، سیرۃ النبی کی اولین کتا بیں اور ان کے مولفین، اردو ترجمہ پر وفیسر نثار احمد فاروقی،ص،114،113 نئی دہلی:اسلامک بک فانڈیشن1998ء

[10] ۔ایضاً،ص:118

[11] ۔ پروفیسر جوزف ہو ر و تز، سیرۃ النبی کی اولین کتا بیں اور ان کے مولفین، اردو ترجمہ پر وفیسر نثار احمد فاروقی،ص،114،113

[12] ۔کاندھلوی،محمد ادیس،مولانا،سیرۃ المصطفیٰ،1/92د،کتب خانہ نعیمیہ،دیوبند،انڈیا،2018ء

[13] ۔ایضاً،ص125

[14] ۔مبارک پوری،اطہر،قاضی،تدوین سیر ومغازی،ص208،مکتبہ دارالعلوم،دیوبند،انڈیا،۱۴۱۰ھ

[15] ۔ابن حجر،احمد بن علی،عسقلانی،تہذیب التہذیب9/45،مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ،حیدرآباد الدکن،الھند الطبعۃ: الآولی،۱۳۲۵ھ

[16] ۔صدیقی،یسین مظہر،پروفیسر،مصادر سیرت نبوی،ج1،ص76،

[17] ۔غازی،محمود احمد،محاضرات سیرت،ص:178،اریب پبلیکیشنز،نئی دہلی،2011ء

[18] ۔رازی،عبد الرحمن بن ابی حاتم،الجرح والتعدیل،ج:3،ص:193،حیدر آباد دکن،بحوالہ تدوین سیر ومغازی،ص209

[19] ۔صدیقی،یسین مظہر،پروفیسر،مصادر سیرت نبوی،ج2،ص525، نئی دہلی: قاضی پبلشرز2016ء

[20]۔ صدیقی، یسین مظہر، پروفیسر، مصادر سیرت نبوی، ج1، ص82،

[21]۔ ایضاً، ج:2، ص525

[22]۔ خطیب بغدادی ، أحمد بن علي بن ثابت ، تاریخ بغداد، ج:1، ص:223، الناشر: دار الغرب الإسلامي– بیروت الطبعة: الأولى، ۱۴۲۲ھ

[23]۔ ابن خلکان، احمد بن محمد، تاریخ ابن خلکان، ج1، ص:482، ترجمہ، اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، کراچی

[24]۔ ابن حجر، احمد بن علی، عسقلانی، تہذیب التہذیب 9/45، مطبعة دائرة المعارف النظامية، حیدر آباد الدکن، الهند الطبعة: الأولى، ۱۳۲۵ھ

[25]۔ خطیب بغدادی ، أحمد بن علي بن ثابت ، تاریخ بغداد، ج:1، ص:224، الناشر: دار الغرب الإسلامي– بیروت الطبعة: الأولى، ۱۴۲۲ھ

[26]۔ ایضاً، ص:230

[27]۔ ابن حجر، احمد بن علی، عسقلانی، تہذیب التہذیب 9/45،

[28]۔ ذہبی، محمد بن أحمد بن عثمان، شمس الدین، تذکرۃ الحفاظ، ج:1، ص:156، دار الکتاب العربي، بیروت ۱۴۱۳ھ ۱۹۹۳ء

[29]۔ ابن حجر، احمد بن علی، عسقلانی، تہذیب التہذیب 9/44،

[30]۔ خطیب بغدادی ، أحمد بن علي بن ثابت ، تاریخ بغداد، ج:1، ص:219،

[31]۔ پروفیسر جوزف ہو ر و تز، سیرۃ النبی کی اولین کتابیں اور ان کے مولفین، اردو ترجمہ پر وفیسر نثار احمد فاروقی، ص،114، 113

[32]۔ ایضاً، ج:1، ص:78